Date of Publication: 23-01-204 PRICE Rs. 2/-
POSTED ON 24-25 Jan. 2014
R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U (C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)
ہفت روزہ
ہماری زبان
انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

1-7 February 2014
Issue: 5, Vol.:73
یکم تا ۷ر فروری ۲۰۱۴ء
شمارہ نمبر: ۵، جلد نمبر: ۷۳

ابتدال صحافت اردو، عشرت علی صدیقی نے بھی رخت سفر باندھا اور راہی دیارِ افلاک ہوئے۔ کم و بیش سات عشروں کو محیط ایک عہد، ایک دور اختتام پذیر ہوا۔ ایک تیر درخشاں اور غروب ہوا۔ ایک ایسا بے مثل صحافی جس کا قلم ابدال محسن تھیں کہ دورِ حاضر کی کساد بازاری میں معیاری صحافت تو کب کی رخصت پذیر ہوئی، اب صرف اخباری تجارت باقی رہ گئی ہے۔ معدودے چند مستثنیات کے سوا لفظ صحافت کے صحیح معنی میں اس کے معیارات پر کھرے اترنے والے کتنے مدیر، صحافی یا اخبار نویس ہیں۔

عشرت علی صدیقی نے تقریباً ایک صدی تک زندگی کی اور کوئی پون صدی تک اردو صحافت کی جلیل القدر خدمات انجام دیں، وہ مولانا ابوالکلام آزاد، ظفر علی خاں، عبدالماجد دریابادی،

کی سادگی، ان کی اصل اہمیت درمیجے کو زیرِ غلاف رکھتی تھی، کھدر کا کرتا پاجامہ، عام معیار اشراف سے قدرے اونچی شیروانی، گاندھی ٹوپی اور پیروں میں معمولی جوتے یا چپل، قد میانہ سے بھی کم بلکہ پست، جثہ بھی نحیف سے کچھ ہی سوا اور دانت بڑے بڑے، لبوں کی حدود سے متجاوز، البتہ وہ موٹے شیشوں کی اوٹ سے جھانکتی روشن و تابناک آنکھیں، ان کی ذہانت کی چغلی کھاتی تھیں۔ یہی تھی وہ شخصیت جس نے نصف صدی تک اپنے وقت کے اردو کے سب سے اہم ترین روزنامے کی ادارت و سیادت کی، اپنے قلم کی مستقل مزاجی کا لوہا منوایا، اپنوں سے ہی نہیں غیروں سے بھی، ان کے یہاں کوئی شکوہ نہ تھا، کوئی جاہ و جلال نہ تھا، مگر ایک شان بے نیازی تھی، جوان کی بہ ظاہر غیر متاثر کن شخصیت کو ہجوم

مجاہدِ صحافت عشرت علی صدیقی کی یاد میں

اک شمع رہ گئی تھی، سو وہ بھی خموش ہے

ڈاکٹر مظفر حسین سید (29/11، سر سید روڈ، دریا گنج، نئی دہلی 110002)
E-mail: syedmh92@yahoo.com

محمد عثمان فارقلیط اور حیات اللہ انصاری کے ہم پلہ نہ سہی مگر اس سلسلۃ الذہب کی کی آخری کڑی ضرور تھے، ان کے بعد اب تاریکی ہی تاریکی ہے۔

عشرت صاحب روزنامہ 'قومی آواز' کے مدیر اعلا تھے، مگر صرف مدیر یا رئیس التحریر ہی نہ تھے، بلکہ وہ اور 'قومی آواز' لازم و ملزوم تھے۔ عشرت صاحب خود 'قومی آواز' تھے، 'قومی آواز' عشرت صاحب کی تجسیم تھا اور وہ مجسم 'قومی آواز' تھے۔ 'تو من شدی، من تو شدی' کی ایسی مثال صحافت تو کیا کسی اور میدان میں بھی نظر آنا محال ہے، وہ حقیقی معنی میں فی الصحافت تھے۔ آج 'مدیرانِ گرامی' بہت ہیں، صحافیانِ عظام بھی جا بجا ہیں، مگر صحافت کو عبادت کا درجہ دینے والے اور قلم کی حرمت کا خیال رکھنے والے کم شدہ ہیں، اگر نظر آ بھی جائیں تو قابلِ شمار انگشت۔

عشرت صاحب کا استغنا اور ان عام سے ممتاز کرتی تھی۔ دراصل عشرت صاحب کی عظمت پوشیدہ تھی اور اک وہ وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنھیں ان کی رفاقت و ہم مجلسی نصیب ہوئی۔ ان کی صحبت، ان کی نیابت میں اپنی صلاحیتوں کو دریافت کرنے نیز انھیں قوتوں کو صیقل کرنے کے مواقع حاصل ہوئے۔ اس عاجز قلم کو خوش بختی ہے کہ اسے یہ افتخار حاصل ہے کہ ان کا شاگرد معنوی ان کر صحافت کے اسرار و رموز سے واقف ہونے کا موقع ملا، نیز اس پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اصولی و معیاری صحافت کو اختیار کرنا، اس پر عمل درآمد کرنا، کسی جہاد سے کم نہیں۔

عشرت صاحب کی قیادت میں لکھنؤ کے طویل سفر کے بعد دہلی سے 'قومی آواز' کی اشاعت کا آغاز ہوا تو راقم الحروف، دیگر نوجوان شہسواروں کے ساتھ ان کی سپاہ کے ہراول دستے میں شامل تھا، اگرچہ کئی برس کا اخباری تجربہ پشت پر تھا، مگر 'قومی آواز' کی دنیا قدرے مختلف تھی، اس ادارے نے نہ صرف نوجوان صحافیوں کا ایک لشکر جسور تیار کیا بلکہ ان سب نے ایک بیباک اور بامقصد صحافت کے اسباق وہیں ازبر کیے، نیز خود کو ایسے فولادی سانچے میں ڈھالا، جہاں خوف کا گزر نہ تھا، شمشیر قلم بے نیام تھی، تاہم اصول و آداب کی پابندی شرط تھی، لازم تھی۔ عشرت صاحب سے ملاقات اول ہوئی تو پہلا سبق انھوں نے یہی دیا کہ "دیکھیے میاں، آپ کے ہاتھ میں جو قلم ہے وہ صرف قلم نہیں بلکہ ایک دو دھاری تلوار ہے، اس کا استعمال احتیاط سے کیجیے، ورنہ یہ آپ کا اپنا ہاتھ بھی کاٹ سکتی ہے"۔ انھوں نے یہ سادہ مگر حکیمانہ جملہ کچھ اس اثر پذیری کے ساتھ ادا کیا کہ اس کے معنی ہم سب پر روشن ہو گئے، یہ کوئی نیا جملہ نہ تھا، نہ ہی پہلی بار بولا گیا تھا، تاہم عشرت صاحب نے کچھ ایسے موثر انداز میں اس کی ترسیل ہمارے پُرجنون اذہان تک کی کہ ہوش نے جوش پر غلبہ حاصل کر لیا اور بعد ازاں یہ سبق اول عملی زندگی میں قدم قدم پر کام آیا۔ درس گاہ 'قومی آواز' کے طالبانِ حق و طلبائے ہنر میں خاکسار کی استثنائی حیثیت کے علاوہ اپنی انفرادی شان کے ساتھ جو چند نوجوان صحافی جلوہ گر تھے، ان میں عالم نقوی، ظفر زاہدی اور شاہد احمد ذکی روشن تر تھے، علاوہ ازیں ترسیل کار جلال

(بقیہ صفحہ ۶ پر)

عشرت صاحب کی کم سخنی و سادہ کاری ان کی سب سے بڑی دولت تھی۔ اردو صحافت کے بیشتر اکابر و عظما کے برعکس نہ وہ ادیب تھے، نہ شاعر، نہ باقاعدہ مصنف، تاہم صحافی بے بدل تھے۔ نہ وہ صاحب اسلوب تھے، نہ کسی خاص طرزِ تحریر کے مالک، بہرکیف تمام تر عمومیات کے باوصف وہ ایک مستحکم قلم کے حامل تھے۔ ان کی تحریر میں پختگی تھی اور ان کے بیان میں اثر پذیری، نیز سادگی میں پُرکاری ان کا ایسا وصف تھا، جو ان کی شناخت بن گیا تھا۔

اشاریہ ’ہماری زبان‘

جنوری تا دسمبر 2013

پہلی قسط

مُحمّد عارف خاں

اخبارات ورسائل کے اشاریے کی اہمیت وافادیت ہمیشہ رہی ہے۔ یہ تشنگان علم وادب کے لیے سرچشمۂ فیض کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اردو میں ان دنوں اشاریہ سازی کی طرف خاص توجہ دی جارہی ہے اور اکثر رسائل وجرائد اپنے مشمولات کا اشاریہ تیار کرتے ہیں تاکہ طلبہ اور ریسرچ اسکالران سے استفادہ کرسکیں۔

ہفت روزہ ’ہماری زبان‘ بھی اردو کا ایک اہم علمی وادبی اخبار ہے۔ خاص طور سے اردو دنیا کی صورت حال اور اردو کے مسائل سے باخبر رکھنے کا واحد اخبار ہے۔ اس میں علمی، ادبی اور تنقیدی مضامین بھی شائع ہوتے ہیں۔ حسب سابق سال ۲۰۱۳ء کا ’ہماری زبان‘ کا اشاریہ شائع کیا جارہا ہے، جس میں مضامین، تبصرے اور وفیات کا اشاریہ تاریخی ترتیب سے دیا گیا ہے۔ — محمد عارف خاں

مضامین

یکم تا ۷/جنوری

- ادب اور ادبی معاشرہ معاصر سفاکی سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ (مہمان اداریہ) عظیم نکلی
- جب فلمی دنیا میں کاروان اردو رواں دواں تھا۔ ادب سے فلم کے تعلق کی گم شدہ یادیں۔ دشواتاتھ طاؤس
- ریاست جھارکھنڈ میں اردو کی ابتدائی تعلیم کے تحفظ کا مسئلہ۔ پروفیسر ابوذر عثمانی

۸ تا ۱۴/جنوری

- نظیر اکبرآبادی: نئی شعریات اور قدر رسائی (پہلی قسط)۔ پروفیسر کرامت علی کرامت
- اردو اور فارسی ادب کا محسن منشی نول کشور۔ سید طلحہ نقشبندی القادری
- راجیہ سبھا میں اردو کے حق میں صدائے احتجاج بلند۔ محمد عارف خاں
- ’بابر کی اولاد‘ ایک تجزیاتی مطالعہ۔ پروفیسر شافع قدوائی

۱۵ تا ۲۱/جنوری

- اردو کی لسانی اہمیت۔ راکیش گپتا
- نظیر اکبرآبادی: نئی شعریات اور قدر رسائی (دوسری اور آخری قسط)۔ پروفیسر کرامت علی کرامت
- ماہنامہ ’دوام‘ ٹانڈہ (فیض آباد) یوپی کا ایک تعارف۔ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب

۲۲ تا ۲۸/جنوری

- ہندستان کا معاصر منظر نامہ اور اردو ذریعہ تعلیم کے امکانات۔ ایس۔ سی گھوش
- ترقی پسند تحریک کے تحمل ناداپراثرات (پہلی قسط)۔ علیم صبا نویدی
- غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام ’ہمارا کلاسیکی ادب اور ترقی پسند تنقید‘ کے موضوع پر سہ روزہ (۲۱ تا ۲۳ دسمبر ۲۰۱۲ء) بین الاقوامی غالب سمینار: ایک رپورٹ

یکم تا ۷/فروری

- محمد علی صدیقی سے اطہر فاروقی کی گفتگو (پہلی قسط)۔ اطہر فاروقی
- ترقی پسند تحریک کے تحمل ناداپراثرات (دوسری اور آخری قسط)۔ علیم صبا نویدی
- انجمن ترقی اردو کی شاخ کے زیر اہتمام سہ روزہ (۲۸ تا ۳۰ دسمبر ۲۰۱۲ء) عالمی اردو مرثیہ کانفرنس: ایک رپورٹ

۸ تا ۱۴/فروری

- فلمی دنیا میں اردو کے سنہری دور کی یادیں۔ جب اردو بلبل ہزار داستاں کی طرح چہکتی تھی۔ دشواتاتھ طاؤس
- محمد علی صدیقی سے اطہر فاروقی کی گفتگو (دوسری اور آخری قسط)۔ اطہر فاروقی
- اردو گھر میں ممتاز شاعر، ادیب، محقق اور دانش ور جمیل الدین عالی کی سالگرہ تقریب کا انعقاد: ایک رپورٹ

۱۵ تا ۲۱/فروری

- تعلیم: مسلم مسائل کا واحد حل۔ عتیق مظفر پوری
- اشاریہ ’ہماری زبان‘ جنوری تا دسمبر ۲۰۱۲ء (پہلی قسط)۔ محمد عارف خاں
- بہار میں انجمن ترقی اردو کی ضلعی شاخیں: ایک رپورٹ

۲۲ تا ۲۸/فروری

- جب اردو باغ ارم میں اٹھکیلیاں کرتی تھیں۔ فلم سے ادیب کے ملاپ کے چند دلچسپ واقعات۔ دشواتاتھ طاؤس
- اشاریہ ’ہماری زبان‘ جنوری تا دسمبر ۲۰۱۲ء (دوسری قسط)۔ محمد عارف خاں
- بشری درد وکرب کا مغنی: پنکج راتھو (پہلی قسط)۔ دیپک بدکی

یکم تا ۷/مارچ

- کیا نقاد ادب کا غیر اہم آدمی ہے؟ (پہلی قسط)۔ وارث علوی
- بشری درد وکرب کا مغنی: پنکج راتھو (دوسری اور آخری قسط)۔ دیپک بدکی
- اشاریہ ’ہماری زبان‘ جنوری تا دسمبر ۲۰۱۲ء (تیسری اور آخری قسط)، محمد عارف خاں

۸ تا ۱۴/مارچ

- جب اردو دنیا خانۂ آذر کا حسین پیکر تھی: کچھ ادب اور فلم کے تعلق سے۔ دشواتاتھ طاؤس
- کیا نقاد ادب کا غیر اہم آدمی ہے؟ (دوسری قسط)۔ وارث علوی
- مولانا ضیاء الدین اصلاحی بہ طور شبلی شناس۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

۱۵ تا ۲۱/مارچ

- ہریانہ کے وہ شعرا وادبا جو ۲۰۱۲ء میں ہم سے جدا ہوگئے۔ جو یادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں۔ مہندر پرتاپ چاند
- ’صولت شیر شاہی‘: ایک تعارف۔ فنی اور یس
- کیا نقاد ادب کا غیر اہم آدمی ہے؟ (تیسری اور آخری قسط)۔ وارث علوی

۲۲ تا ۲۸/مارچ

- معاشی حالات: حصول تعلیم کی راہ میں بڑی رکاوٹ۔ عتیق مظفر پوری
- سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی غالب شناسی (غالب مدح وقدح کی روشنی میں)۔ (پہلی قسط)۔ کلیم صفات اصلاحی
- مختصر معلومات تاریخ ولادت ووفات (مطابق تحریر خود بابت ولادت)۔ سید مرتضیٰ حسین بلگرامی

یکم تا ۷/اپریل

- دستور ہند کے دائرے میں اردو کے فروغ کی صورتیں۔ محمد عبدالقدیر
- سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی غالب شناسی (غالب مدح وقدح کی روشنی میں)۔ (دوسری اور آخری قسط)۔ کلیم صفات اصلاحی
- اوج یعقوبی کی شخصیت اور شاعری (پہلی قسط)۔ ڈاکٹر سید بشیر احمد

۸ تا ۱۴/اپریل

- فلمی دنیا کی ادبی باتیں: جب کوہ قاف پر اردو کا آشیانہ تھا۔ دشواتاتھ طاؤس
- اوج یعقوبی کی شخصیت اور شاعری (دوسری اور آخری قسط)۔ ڈاکٹر سید بشیر احمد
- ساگر یونی ورسٹی میں اردو تحقیق۔ ڈاکٹر وسیم انور
- اردو اور لوک شاہی۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن صدیقی

۱۵ تا ۲۱/اپریل

- انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام ’دارا شکوہ: تاریخ اور زمانہ حال کے تناظر میں‘ کے موضوع پر سہ روزہ (۲۲ تا ۲۴ مارچ ۲۰۱۳ء) بین الاقوامی سمینار کا انعقاد: ایک رپورٹ۔ رپورٹ: محمد عارف خاں
- دارا شکوہ کے تاریخی رول کی بابت چند معروضات۔ پروفیسر اقتدار عالم خاں

۲۲ تا ۲۸/اپریل

- تکسل وادیوں کے درمیان (پہلی قسط) لیلا نائیڈو، انگریزی سے ترجمہ: مظفر حسین سید
- محمود زکی کی شاعری میں قومی یک جہتی اور حب الوطنی کے عناصر۔ ڈاکٹر ایس۔ ایم شکیل
- انداز بیاں اور (دوسری اور آخری قسط)۔ ڈاکٹر تنتیق صلاح

یکم تا ۷/مئی

- متوازی ہندی سنیما (پہلی قسط)۔ اسلم کادیانی
- انداز بیاں اور (دوسری اور آخری قسط)۔ ڈاکٹر تنتیق صلاح
- تکسل وادیوں کے درمیان (دوسری اور آخری قسط) لیلا نائیڈو، انگریزی سے ترجمہ: مظفر حسین سید

۸ تا ۱۴/مئی

- تنقید اور ادبی تنقید (پہلی قسط)۔ پروفیسر کلیم الدین احمد
- ڈاکٹر تنویر احمد علوی کی شاعری میں سراپا نگاری۔ علیم صبا نویدی
- متوازی ہندی سنیما (دوسری قسط)۔ اسلم کادیانی

۱۵ تا ۲۱/مئی

- دانش وروں کا رول (پہلی قسط)۔ ایڈورڈ سعید، انگریزی سے

ترجمہ: صدیق الرحمن قدوائی اور ڈاکٹر اسلم پرویز
- متوازی ہندی سنیما (تیسری اور آخری قسط)۔ ایم کاویانی
- تنقید اور ادبی تنقید (دوسری اور آخری قسط)۔ پروفیسر کلیم الدین احمد

۲۲ تا ۲۸ر مئی
- ایک انوکھی فن کار ہ لیلا نائیڈو (پہلی قسط)۔ وشواناتھ طاؤس
- دانش وروں کا رول (دوسری قسط)۔ [ایڈورڈ سعید] انگریزی سے ترجمہ: صدیق الرحمن قدوائی اور ڈاکٹر اسلم پرویز
- نصرت محی الدین: چند یادیں۔ رحمن جامی

یکم تا ۷ر جون
- مصحفی اور ان کا عہد: ایک جائزہ (پہلی قسط)۔ ڈاکٹر الف ناظم
- ایک انوکھی فن کار ہ لیلا نائیڈو (دوسری اور آخری قسط)۔ وشواناتھ طاؤس
- دانش وروں کا رول (تیسری اور آخری قسط)۔ [ایڈورڈ سعید]، انگریزی سے ترجمہ: صدیق الرحمن قدوائی اور ڈاکٹر اسلم پرویز

۸ تا ۱۴ر جون
- رخصت ہونے والے نائب صدر جمہوریہ محمد حامد انصاری (اداریہ) اطہر فاروقی
- مصحفی اور ان کا عہد: ایک جائزہ (دوسری اور آخری قسط)۔ ڈاکٹر الف ناظم
- داراشکوہ کی طب دوستی (پہلی قسط)۔ پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن
- آصف خستہ کے بغیر۔ الیاس شوقی

۱۵ تا ۲۱ر جون
- کچھ توبۃ النصوح کے حوالے سے۔ پروفیسر علی احمد فاطمی
- آسنسول کا اہم ادبی رسالہ ماہنامہ مریم ہجوم۔ ڈاکٹر مشتاق اعظمی
- داراشکوہ کی طب دوستی (دوسری اور آخری قسط)۔ پروفیسر حکیم سید ظل الرحمن

۲۲ تا ۲۸ر جون
- داراشکوہ کا دربار (پہلی قسط)۔ پریم چند
- مظہر امام: ایک مطالعہ (پہلی قسط)۔ ڈاکٹر پریمی رومانی
- مشتاق خواجہ کی شاعری کا مختصر تجزیہ۔ ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب

یکم تا ۷ر جولائی
- پرانے ہندستان کا ایک شاعر: امارو (پہلی قسط)۔ میراجی
- مظہر امام: ایک مطالعہ (دوسری اور آخری قسط)۔ ڈاکٹر پریمی رومانی
- داراشکوہ کا دربار (دوسری اور آخری قسط)۔ پریم چند

۸ تا ۱۴ر جولائی
- ٹیگور، پریم چند اور ناول کی شعریات (پہلی قسط)۔ قدوس جاوید
- پرانے ہندستان کا ایک شاعر: امارو (دوسری قسط)۔ میراجی
- پروفیسر سید ثاقب حسن رضوی کی ادبی خدمات: اپنے مشفق والد کی یاد میں۔ ڈاکٹر سیمیں رضوی

۱۵ تا ۲۱ر جولائی
- مدھیہ پردیش میں آزادی کے بعد اردو صحافت۔ سہیلی مرزا جی
- پرانے ہندستان کا ایک شاعر: امارو (تیسری اور آخری قسط)۔ میراجی
- ٹیگور، پریم چند اور ناول کی شعریات (دوسری قسط)۔ قدوس جاوید

۲۲ تا ۲۸ر جولائی
- دبستانِ آرکاٹ کا تاریخی، سماجی اور ادبی پس منظر (پہلی قسط)۔ ڈاکٹر جاوید حبیب
- ٹیگور، پریم چند اور ناول کی شعریات (تیسری اور آخری قسط)۔ قدوس جاوید
- نصرت محی الدین: چند یادیں۔ مسعود فضلی

یکم تا ۷ر اگست
- ہندستان کے آئین میں اردو کی حیثیت (پہلی قسط)۔ پروفیسر انوار الیقین
- دبستانِ آرکاٹ کا تاریخی، سماجی اور ادبی پس منظر (دوسری اور آخری قسط)۔ ڈاکٹر جاوید حبیب
- آسمانِ صحافت و ادب کے تابناک ستارے عابد دہلوی۔ ڈاکٹر مسعود جعفری

۸ تا ۱۴ر اگست
- اردو شاعری کا ارتقائی سفر۔ ڈاکٹر سید بشیر احمد
- تمل زبان پر اردو کے اور اردو زبان پر تمل کے اثرات۔ علیم صبا نویدی
- ہندستان کے آئین میں اردو کی حیثیت (دوسری اور آخری قسط)۔ پروفیسر انوار الیقین

۱۵ تا ۲۱ر اگست
- زبان و بیان کے بعض پہلو (پہلی قسط)۔ رشید حسن خاں
- منفرد غزل کی دلکش آواز مجروح سلطان پوری۔ ڈاکٹر مسعود جعفری
- تمل ناڈو کا علمی و ادبی سرمایہ۔ ڈاکٹر جاوید حبیب

۲۲ تا ۲۸ر اگست
- ن م راشد کا خط میراجی کے نام (ماخذ 'شعر و حکمت' کتاب ۱۰، ۱۹۸۷ء، حیدرآباد)
- زبان و بیان کے بعض پہلو (دوسری اور آخری قسط)۔ رشید حسن خاں
- شاعرات نوک جھونک۔ ڈاکٹر سید بشیر احمد

یکم تا ۷ر ستمبر
- ملک چاند بی بی کے خانوادے کا علم (ڈاکٹر داد چاند اردو نہیں جانتا تھا پھر بھی اردو فلمیں بنا رہا تھا)۔ وشواناتھ طاؤس
- خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ: ایک تعارف۔ محمد ایوب واقف
- اقبال کی شاعری میں ہندستانیت۔ ڈاکٹر مسعود جعفری

۸ تا ۱۴ر ستمبر
- جذبی صدی پر خراجِ عقیدت: ہم قدم جذبی صاحب کی یاد میں (پہلی قسط)۔ مظفر حسین سید
- کچھ متحرک و ساکن اصوات سے متعلق۔ پروفیسر ظہور الدین
- ڈاکٹر اسلم پرویز کی کتاب 'بہادر شاہ ظفر' ایک جائزہ۔ اطہر فاروقی

۱۵ تا ۲۱ر ستمبر
- انجمن ترقی اردو (ہند) نے امکانات کی نئی جستجو۔ اطہر فاروقی
- جذبی صدی پر خراجِ عقیدت: ہم قدم جذبی صاحب کی یاد میں (دوسری اور آخری قسط)۔ مظفر حسین سید
- عہد حاضر کا ایک اہم اقبال شناس (پہلی قسط)۔ محمد صہیب

۲۲ تا ۲۸ر ستمبر
- قومی اردو کونسل کا نیا جنم (اداریہ)۔ اطہر فاروقی
- عہد حاضر کا ایک اہم اقبال شناس (دوسری قسط)۔ محمد صہیب
- قومی اردو کونسل کی عالمی اردو کانفرنس کا کلیدی خطبہ۔ سید محمد اشرف

یکم تا ۷ر اکتوبر
- مکالمہ پسند داراشکوہ (پہلی قسط)۔ [پروفیسر نیجر پانڈے]، ہندی سے ترجمہ: سرور الہدیٰ
- عہد حاضر کا ایک اہم اقبال شناس (تیسری اور آخری قسط)۔ محمد صہیب
- اردو کے جاں نثار بے بہار سنگھ (پروین کمار سنگھ)، ہندی سے ترجمہ: محمد عارف خاں

۸ تا ۱۴ر اکتوبر
- داراشکوہ: ہندستان میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی روایت کا علم بردار۔ پروفیسر شریف حسین قاسمی
- مکالمہ پسند داراشکوہ (دوسری اور آخری قسط)۔ [پروفیسر نیجر پانڈے]، ہندی سے ترجمہ: سرور الہدیٰ
- سرور صاحب میری نظر میں (پہلی قسط)۔ گیان چند جین

۱۵ تا ۲۱ر اکتوبر
- حیدرآباد سے مولانا ظفر علی خاں کا اخراج۔ 48 گھنٹے میں ریاست چھوڑ دینے کا حکم، ایک اطلاعی نظم اس کا سبب بنی۔ وشواناتھ طاؤس
- سرور صاحب میری نظر میں (دوسری اور آخری قسط)۔ گیان چند جین
- ممتاز مزاح نگار مجتبیٰ حسین کے فن اور شخصیت پر دو کتابوں 'مجتبیٰ حسین آئینوں کے بیچ' اور 'مجتبیٰ حسین: جیسا دیکھا ویسا پایا' کی اشاعت: ایک جائزہ۔ ڈاکٹر فیروز عالم

۲۲ تا ۲۸ر اکتوبر
- فعلِ متعدی (پہلی قسط)۔ فہمیدہ ریاض
- مرشد آباد میں اردو ڈراما۔ ہاجرہ بانو
- نواب عزیز جنگ ولا کی علمی خدمات۔ الطاف حسین حالی

یکم تا ۷ر نومبر
- انتخابات کا جمہوری عمل اور اردو کے حقوق کی خاطر اہلِ قلم کے تحریک کا مسئلہ (اداریہ) اطہر فاروقی
- فعلِ متعدی (دوسری قسط)۔ فہمیدہ ریاض
- شمیم تقوی کی شاعری: ایک جائزہ: 'کچھ غمِ جاناں کچھ غمِ دوراں' کی روشنی میں۔ ڈاکٹر سرور الہدیٰ

۸ تا ۱۴ر نومبر
- کون اس عہد میں سچ بولے گا؟۔ پروفیسر علی احمد فاطمی
- ہندی اور اردو کا مستقبل: منشی پریم چند کی ایک تقریر
- فعلِ متعدی (تیسری اور آخری قسط)۔ فہمیدہ ریاض

۱۵ تا ۲۱ر نومبر
- مولانا آزاد اور اردو زبان کا تحفظ۔ ڈاکٹر مظفر حسین سید
- ترچناپلی میں اردو۔ علیم صبا نویدی
- مولانا آزاد کے ایک ہم عصر مولانا دریابادی (پہلی قسط)۔ ایم کاویانی

۲۲ تا ۲۸ر نومبر
- شمیم حنفی: ادبی اور تہذیبی بصیرت کے ۷۵ سال۔ ڈاکٹر سرور الہدیٰ
- مولانا آزاد کے ایک ہم عصر مولانا دریابادی (دوسری قسط)۔ ایم کاویانی
- راجندر یادو کا ذکر، اردو کے حوالے سے: ایک شمع تھی دلیلِ سحر، سو خموش ہے (پہلی قسط)۔ ڈاکٹر مظفر حسین سید

یکم تا ۷ر دسمبر
- داراشکوہ اور سلطنت عثمانیہ ـــ داراشکوہ کی زندگی کا ایک انجانا پہلو (پہلی قسط)۔ پروفیسر نعیم الرحمن فاروقی
- راجندر یادو کا ذکر، اردو کے حوالے سے: ایک شمع تھی دلیلِ سحر، سو خموش ہے (دوسری اور آخری قسط)۔ ڈاکٹر مظفر حسین سید
- مولانا آزاد کے ایک ہم عصر مولانا دریابادی (تیسری اور آخری قسط)۔ ایم کاویانی

۸ تا ۱۴ر دسمبر
- داراشکوہ کی شاعری۔ [شمس الرحمن فاروقی]، انگریزی سے ترجمہ: سرور الہدیٰ
- ماضی کی سنہری یادیں: اردو کے خراجیہ اشتہارات۔ وشواناتھ طاؤس
- داراشکوہ اور سلطنت عثمانیہ ـــ داراشکوہ کی زندگی کا ایک انجانا پہلو (دوسری اور آخری قسط)۔ پروفیسر نعیم الرحمن فاروقی

۱۵ تا ۲۱ر دسمبر
- داراشکوہ: داراشکوہ کے نام ایک خط۔ گوپال کرشن گاندھی
- ہنر لکھنوی کی یاد میں۔ ڈاکٹر سید بشیر احمد
- مرزا غالب کا ہم عصر شاعر لطیف آرکاٹی۔ ڈاکٹر جاوید حبیب

۲۲ تا ۲۸ر دسمبر
- پیدائش کے ۱۰۰ ویں برس پر عطیہ حسین کی یاد [تحریر: شکوہ محسن مرزا] ترجمہ: مظفر حسین سید
- سید نجیب اشرف ندوی کے ادبی کارنامے۔ محمد ایوب واقف
- رشید حسن خاں: بہ حیثیت مبصر۔ ڈاکٹر محمد ہمدم رضا

***

اردو دُنیا

وزیر اعلا اردو اساتذہ کے تقرر کے عمل کو جلد مکمل کرائیں

اردو میڈیم اسکولوں کے تعلق سے اعلانات پر قطعی عمل نہیں ہوا

نئی دہلی (۱۸/جنوری)۔ وزیر اعلا اروند کیجریوال دہلی سرکار کے 21 اردو میڈیم سینئر سیکنڈری اسکولوں کی حالت زار کو سدھارنے کی سمت فوری طور سے قدم اٹھائیں اور اردو اساتذہ کی تقرری کے اس عمل کو جلد سے جلد مکمل کرائیں جو اسمبلی الیکشن کے اعلان کے بعد ضابطہ اخلاق نافذ ہوجانے کے سبب نامکمل رہ گیا تھا۔ یہ مطالبہ آج دہلی اردو موومنٹ نے کیا ہے۔

دہلی اردو موومنٹ کے جنرل سکریٹری فرید احمد نے بتایا کہ آج موومنٹ کی ایک میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ دہلی میں 21 اردو میڈیم کے اسکولوں کی بدحالی اور اردو سبجیکٹ کے اساتذہ کی بحالی نہ کیے جانے سے متعلق وزیر اعلا اروند کیجریوال اور وزیر تعلیم منیش سسودیا کو روشناس کرانے کے لیے ان سے ملاقات کی جائے۔ میٹنگ کے دوران موومنٹ کے صدر سابق پرنسپل مشتاق بیگ اور فرید احمد نے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ سابق وزیر اعلا شیلا دکشت کی سرکار میں اردو زبان اور اردو میڈیم اسکولوں کے تعلق سے جو اعلانات کیے گئے ان پر قطعی عمل نہیں ہوا۔ دہلی سرکار کے اسکولوں میں ۱۹۹۵ء کے بعد سے ایک بھی اردو سبجیکٹ ٹیچر کا تقرر نہیں کیا گیا اور جو ٹیچر ریٹائر ہوئے ان کی جگہ پر ہندی میڈیم کے ٹیچر مقرر کردیے گئے۔ انھوں نے کہا کہ یہ اردو میڈیم اسکولوں کو بند کرنے کی ایک سازش ہے۔

فرید احمد نے کہا کہ اروند کیجریوال کو اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر خاص توجہ دینی ہوگی کیوں کہ ان کے ساتھ مسلسل ناانصافی ہوتی رہی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ عدالت کے حکم اور وزیر اعلا کے اعلان کے باوجود دہلی کی نوکر شاہی نے اردو اساتذہ کی تقرری میں ایک کے بعد ایک رخنہ اندازی کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ خود کو ایماندار اور غیر جانبدار کہنے والی سرکار اردو کے لیے کچھ کرتی ہے یا پھر وہ بھی پچھلی سرکار کے ہی نقش قدم پر چلے گی۔ میٹنگ میں مشتاق بیگ، فرید احمد، عظیم بیگ، مرزا سلیم، محمد رئیس احمد، محمد ناصر اور محترمہ حنا کوثر وغیرہ نے بھی شرکت کی۔

(راشٹریہ سہارا، دہلی)

ریاست میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ ملنے کے باوجود

سرکاری محکموں میں عمل آوری نہیں

کلکتہ (۲۳/دسمبر)۔ ریاست مغربی بنگال کی وزیر اعلا ممتا بنرجی کی سیکولر شبیہ پر شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان سے ریاست میں اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کی بات کی گئی تو انھوں نے اسے فوراً مان لیا۔ انھوں نے اقتدار سنبھالنے کے ایک ہفتے کے اندر اپنے انتخابی منشور میں کیے گئے وعدے پر عمل کرتے ہوئے اردو حلقے میں مسرت کی لہر دوڑادی اور مظلوم اردو کو ممتا کی چھاؤں میں لیتے ہوئے اسے روزگار سے جوڑنے کا اعلان کردیا۔ دس فیصد اردو بولنے والے اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیتے ہوئے فیصلہ کیا گیا ان اضلاع میں سرکاری کام کاج اردو میں بھی انجام دیے جائیں گے۔ سمجھا جاتا ہے کہ تخمینہ طور پر دس فیصد اردو بولنے والے اضلاع کلکتہ، ہوڑہ، ہگلی، شمالی 24 پرگنہ اور جنوبی 24 پرگنہ، بیر بھوم، مغربی مدناپور، شمالی دیناجپور، بردوان، مرشدآباد، مالدہ اور دارجلنگ ہیں، لیکن دس فیصد اردو آبادی والے ان اضلاع میں سرکاری محکموں، اداروں، میونسپلٹیوں، آنگن باڑی مراکز، روزگار اور صحت کے شعبوں میں اردو میں کام کاج کا نفاذ نہیں ہے۔ مغربی بنگال کی وزیر اعلا ممتا بنرجی سے اہل اردو کی التجا ہے کہ سرکاری محکموں، اداروں، شعبہ تعلیم، روزگار، صحت، ریلوے، بینک، اسپتال، آنگن باڑی مراکز، کورٹ، اسکول اور کالج وغیرہ میں اردو کے نفاذ کے لیے فوری قدم اٹھائیں۔

(اخبار مشرق، کلکتہ)

محکمہ اطلاعات وتعلقات عامہ میں اردو مترجم کا تقرر کرنے کا مطالبہ

میدک، آندھراپردیش (۱۸/جنوری)۔ میدک ضلع دفتر کے محکمہ اطلاعات و تعلقات عامہ میں اردو مترجم کا تقرر کرنے کے لیے ضلع نائب صدر اے پی یو ڈبلیو جے محمد ریاض الدین نے صدر اقلیتی کمیشن آندھراپردیش جناب محمد عابد رسول خاں سے نمائندگی کی اور بتایا کہ ضلع میدک میں ریاستی حکومت نے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا ہے، لیکن عمل آوری نہ ہونے سے کسی بھی سرکاری محکمے میں اردو کے ساتھ انصاف نہیں کیا جاتا ہے۔ خاص طور سے اردو اخبارات میں مسلمانوں اور اردو کے مسائل سے متعلق شائع خبروں پر کسی قسم کا اثر نہیں ہوتا، جس کی بڑی وجہ ضلع دفتر میں اردو مترجم کا تقرر نہ ہونا ہے، جس پر شدت ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے جناب عابد رسول خاں نے ضلع کلکٹر میدک کو ایک مکتوب روانہ کرتے ہوئے اردو مترجم کا تقرر کرنے کی سفارش کی ہے۔

(رہنمائے دکن، حیدرآباد)

اردو میڈیم مدارس میں سوال ناموں کی کم تعداد میں فراہمی

حیدرآباد (۳/جنوری)۔ اسٹیٹ اردو ٹیچرس ایسوسی ایشن آندھراپردیش (سوٹا) کے قائدین محمد عبدالنعیم، محمد انوار الباقی، محمد خواجہ معین الدین، محمد عبدالجبار افروز، محمد عبدالقدیر صدیقی اور خواجہ فاروق الدین وہاج نے اپنے ایک مشترکہ بیان میں کہا ہے کہ ششماہی امتحانات ۲۰۱۳ء کے مضمون واری امتحانی پرچے راجیو ودیا مشن کی جانب سے اول تا ہشتم مہیا کیے گئے ہیں، مگر اردو میڈیم مدارس کے طلبہ وطالبات کو سوال نامے بہت ہی کم تعداد میں فراہم کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے اقلیتی طلبہ و طالبات کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور تین تا چار طلبہ میں ایک امتحانی پرچہ استعمال کیا جارہا ہے جو اردو میڈیم طلبہ کے ساتھ ناانصافی ہے۔ لہٰذا ارباب مجاز ودیا مشن اور کلکٹر حیدرآباد سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ فوری اس جانب توجہ دیں۔

(سیاست، حیدرآباد)

ادیب، منشی، مولوی اور عالم سند یافتگان کو بھی اردو اساتذہ کی تقرری میں شامل کرنے کے لیے حکومت اترپردیش کی ہدایت

لکھنؤ (۱۹/جنوری)۔ اردو اساتذہ کی تقرری عمل میں ہائی کورٹ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حکومت اترپردیش نے ادیب، منشی، مولوی، عالم اور دیگر مساوی اسناد کو بالترتیب ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کی جگہ شامل کرتے ہوئے حکم نامہ جاری کردیا ہے۔ محکمہ بیسک تعلیم کے سکریٹری نیتیشور کمار نے ریاست کے چیف سکریٹری مسٹر جاوید عثمانی کے ذریعے ۹ جنوری کو دی گئی ہدایت اور عدالت عالیہ کے حکم کی تعمیل میں محکمے کی جانب سے گزشتہ روز حکم نامہ جاری کردیا ہے۔ امید ہے کہ اسی ہفتہ بیسک ایجوکیشن کونسل اترپردیش الہ آباد کے سکریٹری مسٹر سنجے سنہا کی جانب سے بھی ریاست کے تمام ضلع بیسک تعلیم کے افسران کو ادیب، منشی، مولوی، عالم و دیگر مساوی ڈگری ہولڈرس کو اردو اساتذہ کی تقرری کے عمل میں شامل کیے جانے کی ہدایت جاری کردی جائے گی۔ قانونی طور سے سرگرم عمل تنظیم معلم اردو ولفیئر ایسوسی ایشن اترپردیش کے ریاستی صدر محمد قسیم، جنرل سکریٹری ایم آئی ہاشم، ریاستی ترجمان ڈاکٹر محمد راشد و ریاستی نائب صدر راشدہ سوری، ریاستی سکریٹری سید جلال الدین کے علاوہ تنظیم سے منسلک ریاست بھر کے تمام معلم اردو ممبران نے یا حکومت کے اس قدم کی ستائش کرتے ہوئے وزیر اعلا اکھلیش یادو اور پارٹی سربراہ ملائم سنگھ یادو کے علاوہ دوسرے کابینی وزرا کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہوئے ریاست کے تمام معلمین اردو کو مبارک باد پیش کی۔

(آگ، لکھنؤ)

اردو کے فروغ کے معاملے میں

حکومت غیر سنجیدہ، ڈائری کی عدم اشاعت

حیدرآباد (۲۰/جنوری)۔ ریاستی حکومت کی جانب سے اردو کے ساتھ متعصبانہ رویہ اختیار کیا جانا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ حکومت نے ریاست کے بیشتر اضلاع میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا موقف تو دیا ہے لیکن اس کی ترویج و اشاعت کے معاملے میں ریاستی حکومت کی کوتاہیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ واضح ہو کہ حکومت آندھراپردیش کی جانب سے ہر سال ایک ڈائری اور کیلنڈر شائع کیا جاتا ہے اور ریاست کے سرکاری عہدیداروں کے علاوہ ارکان پارلیمان، اسمبلی و قانون ساز کونسل کے ساتھ ساتھ شہر کی اہم شخصیتوں میں یہ ڈائریاں تقسیم کی جاتی ہیں اس کے علاوہ اس ڈائری کو ملک بھر میں فروخت کے لیے بھی رکھا جاتا ہے تاکہ ڈائری میں موجود اطلاعات سے دلچسپی رکھنے والے افراد اسے خریدیں اور استفادہ کریں لیکن سال گزشتہ اردو کی ڈائری شائع نہیں کی گئی اور اردو زبان میں صرف کیلنڈر کی اشاعت پر اکتفا کیا گیا۔ نمائندگیوں کے باوجود اردو میں ڈائری کی عدم اشاعت سے یہ واضح ہے کہ خود حکومت اس معاملے میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کررہی ہے۔ علاوہ ازیں دکانوں کے سائن بورڈوں پر تلگو زبان کے ترجمہ کو یقینی بنانے کے احکام جاری کیے گئے لیکن اردو سے متعلق کوئی صراحت نہیں کی گئی جو اس بات کو مزید تقویت بخشتی ہے کہ حکومت سرکاری سطح پر اردو کو نظرانداز کررہی ہے۔ محکمہ پرنٹنگ پریس کے ذرائع کے بموجب حکومت آندھراپردیش کی مہر کے ساتھ تیار کردہ انگریزی و تلگو زبان کی ڈائری پوری طرح سے تیار ہوچکی ہے اور بہت جلد فروخت کے لیے پیش کیے جانے کی توقع ہے لیکن اردو ڈائری کا مکمل مواد تیار ہونے کے باوجود اس کی اشاعت تعطل کا شکار بنی ہوئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ شعبہ اردو کی جانب سے محکمے کو معلوماتی مواد اردو میں فراہم کردیا جاچکا ہے لیکن بعض متعصب عہدیدار جو کہ اردو کو ایک مخصوص طبقے کی زبان تصور کرتے ہیں وہ اس ڈائری کی اشاعت میں رخنہ ڈال رہے ہیں۔ حکومت کی جانب سے شائع کی جانے والی ڈائری میں نہ صرف عوامی نمائندوں کے فون نمبرات وغیرہ ہوتے ہیں بلکہ اس ڈائری میں تمام محکموں کے

اردو اکادمی کے تحت پڑھا رہے اساتذہ کو مستقل کیا جائے

اکادمی کے چیئرمین اور وزیر اعلا اروند کیجریوال سے اردو اکادمی کے اساتذہ کا مطالبہ

نئی دہلی (۱۱؍جنوری)۔ دہلی اردو اکادمی کے تحت دہلی سرکار کے مختلف اسکولوں میں پڑھانے والے جزوقتی اردو اساتذہ نے شیلا دکشت سرکار کی ناانصافی بیان کرتے ہوئے موجودہ وزیر اعلا اروند کیجریوال سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اردو اکادمی کے اساتذہ کا برسوں سے التوا میں پڑا مسئلہ حل کرائیں اور انھیں محکمۂ تعلیم کے تحت مستقل کرکے تمام سہولیات مہیا کرائی جائیں۔ اس سلسلے میں آج ایک میمورنڈم ان اردو اساتذہ کی جانب سے اروند کیجریوال کو دیا گیا۔ ان اساتذہ نے اپنا دکھ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اردو اکادمی کے تحت دہلی سرکار کے اسکولوں میں برسوں سے پڑھا رہے ہیں لیکن انھیں آج تک مستقل نہیں کیا گیا بلکہ محض 10 ماہ کی تنخواہ دی جاتی ہے جو لیبر قانون کی خلاف ورزی ہے۔ ان اساتذہ نے وزیر اعلا سے مطالبہ کیا کہ انھیں مستقل ملازمت دے کر اردو اکادمی میں ٹھیکے پر ٹیچر رکھنے کا عمل رد کیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ چوں کہ وزیر اعلا اردو اکادمی کا چیئرمین ہوتا ہے اس لیے وہ ان تمام اساتذہ کو 12 ماہ کی تنخواہ ادا کرنے کا حکم دیں کیوں کہ ہم سے مستقل اساتذہ کے برابر ہی کام لیا جاتا ہے۔ وزیر اعلا سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ جو اسامیاں نکلی ہیں ان میں پہلے اردو اکادمی کے اساتذہ کو ترجیح دی جائے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

اطلاعات عہدیداروں سے رابطے کی تفصیلات موجود ہوتی ہیں۔ انگریزی و تلگو زبان میں ڈائری کی اشاعت کے ساتھ اگر اردو زبان میں ڈائری شائع کر دی جائے تو ایسی صورت میں محکمے کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی لیکن اردو ڈائری کی عدم اشاعت کے ذریعے اردو زبان کو عوام تک رسائی کو روکنے کی کوشش ہے۔ حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے جو ڈائری شائع ہوتی ہے اس کی اشاعت محکمۂ نشر و اشاعت کی جانب سے عمل میں آتی ہے اور اس سال بھی محکمے کے شعبۂ اردو سے تعلق رکھنے والے ملازمین نے اردو زبان میں مواد تیار کر رکھا ہے لیکن یہ مواد ابھی اشاعت کے مرحلے میں داخل نہیں ہوا۔ سال گزشتہ بھی ملازمین نے مکمل مواد تیار کیا تھا لیکن اس مواد کی جانچ اور منظوری کے حصول کے نام پر ڈائری کی اشاعت میں ایک ماہ کی تاخیر کر دی گئی بعد ازاں اعلا عہدیداروں نے کہا کہ نیا سال شروع ہو چکا ہے اور اب اگر اشاعت کے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے تو ایسی صورت میں تکمیل تک تین ماہ گزر جائیں گے یہ کہتے ہوئے سال گزشتہ اردو زبان میں ڈائری کی اشاعت روکتے ہوئے صرف کیلنڈر شائع کر دیے گئے اور اس سال بھی کچھ اسی طرح کی کوششیں کی جارہی ہیں کہ پہلے سے تعطل کا شکار بنایا جائے اور پھر بعد میں یہ کہہ دیا جائے کہ ڈائری کی اشاعت میں بہت تاخیر ہو چکی ہے اس لیے اس پروجیکٹ کو فی الحال روک دیا جائے۔ اس لیے حکومت کے علاوہ ریاستی اقلیتی کمیشن کو چاہیے کہ وہ اس سلسلے میں خصوصی نوٹ لیتے ہوئے اردو ڈائری کی اشاعت کے احکام جاری کرے تاکہ برسہا برس سے جاری اردو ڈائری کی اشاعت جو سال گزشتہ نہیں ہو پائی اسے بحال کیا جاسکے۔

(سیاست۔ حیدرآباد)

اردو پڑھانے کے لیے 72 ٹیچروں کی تقرری

رام پور (۱۳؍جنوری)۔ حکومت اترپردیش نے رامپور کے پرائمری اسکولوں میں اردو پڑھانے کے لیے 108 اردو اساتذہ رکھنے کو حکم دیا تھا لیکن بی ایس اے شیام کشور تیواری نے صرف 72 اردو ٹیچروں کو تقرری نامہ جاری کرکے تین دن میں جوائن کرنے کی ہدایت دی ہے۔ مرد ٹیچروں کو روسٹر کے مطابق اور خاتون ٹیچروں کو ان کی مرضی پر تقرری دی گئی ہے۔ اب 72 پرائمری اسکول ایسے ہوں گے، جہاں بچے اردو پڑھ سکیں گے۔ ابھی 36 ٹیچروں کی تقرری ہوئی ہے، لیکن 25 جگہیں خالی رہنے کا امکان ہے، جب کہ 11 کی تقرری ہو سکتی ہے۔ حکومت نے اردو ٹیچروں کی تقرری میں ریزرویشن بھی دیا ہے۔ 108 اساتذہ میں سے 25 ایس سی، ایس ٹی اور 11 پس ماندہ طبقات کا کوٹہ مقرر ہے۔ بی ایس اے کے مطابق درج فہرست ذاتوں کے ایک بھی شخص نے اردو ٹیچر کے لیے درخواست نہیں دی، اس لیے 25 اسامیاں فی الحال خالی رہیں گی۔ فی الحال 36 اردو اساتذہ کا تقرر نہیں ہو سکا ہے، ان میں 25 اسامیاں ۱۹۹۴ء کی طرح خالی رہیں گی۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

'ریختہ' ویب سائٹ اردو دنیا میں ایک غیر معمولی کارنامہ

'ریختہ' کے پہلے یوم تاسیس کے موقعے پر منعقد پروگرام میں شمس الرحمن فاروقی کا اظہار خیال

نئی دہلی (۱۱؍جنوری)۔ سنجیو صراف مضبوط ارادے اور عزائم رکھنے والے ایسے شخص ہیں جنھوں نے اردو زبان کے حقیقی پرستار کے طور پر عمل کرتے ہوئے ریختہ ویب سائٹ کی صورت میں اس کا ثبوت پیش کیا۔ ریختہ ویب سائٹ آج ہم سب کے سامنے ہے، جو اردو دنیا میں سنجیو صراف کا ایک غیر معمولی کام ہے۔ ان خیالات کا اظہار انڈیا انٹرنیشنل سینٹر میں 'ریختہ' کے پہلے یوم تاسیس کے موقعے پر منعقد تقریب میں اردو دنیا کے مشہور و معروف ناقد شمس الرحمن فاروقی نے کیا۔

مہمان خصوصی کے طور پر اظہار خیال کرتے ہوئے مرکزی وزیر سلمان خورشید نے کہا کہ اردو شاعری کی یہ ویب سائٹ دراصل محبتوں کی زبان سے ہماری وابستگی کو مضبوط کرنے میں اہم کردار ادا کرے گی، جس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں پر یکساں ہوگا اور جدید ٹیکنالوجی کے دور میں اردو مزید ترقی کر سکے گی۔ معروف فلم ساز مظفر علی نے اظہار مسرت کرتے ہوئے اعتراف کیا کہ سنجیو صراف نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے اور علم و ادب کی ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔

معروف محقق و نقاد پروفیسر شمیم حنفی نے سنجیو صراف کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ اس ویب سائٹ کی گونج بیرون ملک تیزی سے پھیل رہی ہے اور پاکستان کے علاوہ مغربی ممالک میں بھی لوگ اس سے استفادہ کر رہے ہیں۔ پروفیسر اختر الواسع نے کہا کہ اس ویب سائٹ کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ انھوں نے کہا کہ گزشتہ صدی پرنٹنگ کے حوالے سے منشی نول کشور کی تھی، جب کہ یہ صدی سنجیو صراف کی ہے۔ انھوں نے ریختہ کے ذریعے اردو کے ایک بہت بڑے ذخیرے کو نہ صرف محفوظ کر دیا ہے بلکہ اس کو پوری دنیا میں پہنچا دیا ہے۔ ریختہ فاؤنڈیشن کے سربراہ سنجیو صراف نے مہمانوں کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ ریختہ دراصل محبتوں کا وہ پھول ہے جس کی خوشبو آج دنیا کے 154 ملکوں تک پہنچ چکی ہے۔ اب تک ریختہ پر دو لاکھ سے زیادہ لوگ نگاہ ڈال چکے ہیں اور ان کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ آرزوؤں کا سفر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اس موقعے پر یو کے سفیر سید شاہد مہدی اور کلدیپ نیر جیسی اہم شخصیات نے بھی اظہار خیال کیا۔

اس موقعے پر حاضرین کے سامنے ویب سائٹ کے نئے فیچر و بعض دلچسپ چیزیں پیش کی گئیں اور آخر میں معروف صوفی گلوکارہ ودیوشی سہگل نے صوفیانہ کلام پیش کیا۔ اس موقعے پر انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر اطہر فاروقی، پروفیسر خالد محمود، پروفیسر شہپر رسول، آشیش دھون، ڈاکٹر احمد محفوظ، ڈاکٹر عبدالرشید، پروفیسر تسنیم فاطمہ، ڈاکٹر خان، آصف اعظمی فاروقی و دیگر معزز حضرات موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

انتخابی عمل میں اردو کا بھی استعمال کرنے کا مطالبہ

حیدرآباد (۱۰؍جنوری)۔ تنظیم فروغ اردو زبان، آندھرا پردیش کے صدر محمد عبدالصمد، محمد عبدالقدیر، عبدالحفیظ رحمانی، محمد علیم الدین، خواجہ معین الدین، عبدالقیوم، محمد کمال احمد، محمد واجد اور میر واجد علی رحمان وغیرہ نے اپنے مشترکہ صحافتی بیان میں چیف الیکشن کمشنر آف انڈیا وی ایس سمپت اور ریاستی الیکشن کمشنر بھنور لال سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ مئی ۲۰۱۴ء میں منعقد ہونے والے لوک سبھا اور ریاستی اسمبلی کے انتخابات میں فہرست رائے دہندگان اور انتخابی عمل میں تحریری طور پر استعمال کیے جانے والا تمام مواد اردو زبان میں شائع کریں۔ انھوں نے کہا کہ آندھرا پردیش کی آبادی آٹھ کروڑ سے زائد ہے اور اردو عوام تقریباً ایک کروڑ ہیں۔ ساتھ ہی کثیر آبادی کے مطالبے کو الیکشن کمیشن نظر انداز نہ کرے اور آئندہ منعقد ہونے والے لوک سبھا اور ریاستی اسمبلی کے انتخابات کی فہرست رائے دہندگان و انتخابی عمل میں استعمال کرنے والا تمام تحریری مواد اردو زبان میں شائع کرے۔ تنظیم کا ایک وفد ریاستی الیکشن کمشنر بھنور لال اور چیف سکریٹری ڈاکٹر پی کے موہنتی، حکومت آندھرا پردیش سے مل کر تحریری نمائندگی کرے گا۔ ریاستی اقلیتی کمیشن، اردو اکیڈمی آندھرا پردیش، محبان اردو اور سیاسی، غیر سیاسی تنظیموں سے اپیل ہے کہ وہ بھی اس سلسلے میں حکومت پر دباؤ ڈالیں اور الیکشن کمشنر سے نمائندگی کریں۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

اک دیا اور بجھا

پرتاپ گڑھ۔ اردو کے معروف ادیب اور شاعر، ایڈوکیٹ امتیاز الدین خاں کا مختصر علالت کے بعد ۱۳؍جنوری ۲۰۱۴ء کی شب میں انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کی خبر ملتے ہی اردو شعر و ادب کی دنیا میں غم کی لہر دوڑ گئی۔ محنت، سچی لگن، انکساری اور نرم گفتاری کے باعث وہ لوگوں میں کافی مقبول تھے۔ امتیاز الدین خاں ۱۹۳۰ء میں پرتاپ گڑھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اردو ادب کے تئیں ان کے سنجیدہ رویے کی وجہ سے ان کا شمار ممتاز ادیبوں میں ہوتا تھا۔ ان کی تصنیفات میں مکالمات اقبال، پرتاپ گڑھ کی ادبی یادیں، نوازش: شخصیت اور شاعری، میری ترجمہ نگاری کا سفر، امتیاز الدین نامہ کے علاوہ انھوں نے رامائن کا اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ حسن الدین احمد کے ذریعے شائع کیے جانے والے 'ساز مغرب' میں امتیاز الدین خاں کے انگریزی نظموں کے تراجم بھی شامل ہیں۔ ان کی کئی تصنیفات غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ انھوں نے ایک مترجم کی حیثیت سے اردو، انگریزی اور ہندی کی تخلیقات دوسری زبانوں میں منتقل کیے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

کنٹور (حیدرآباد) کے موپلا منڈل میں اردو گھر کی تعمیر

حیدرآباد (۲۹؍دسمبر)۔ ضلع کنٹور کے موپلا منڈل میں اردو گھر و شادی خانہ کی تعمیر کے لیے حکومت نے 10 لاکھ روپے جاری کر دیے ہیں۔ اسپیشل سکریٹری اقلیتی بہبود جناب سید عمر جلیل نے احکام جاری کرتے ہوئے ڈائرکٹر/ سکریٹری اردو اکیڈمی ڈاکٹر ایس اے شکور کو ہدایت دی کہ وہ 10 لاکھ روپے کلکٹر کنٹور کے حوالے کریں تاکہ کنٹور میں اردو گھر اور شادی خانہ کی تعمیر کا آغاز کیا جاسکے۔ واضح رہے کہ کنٹور کے موپلا منڈل میں اردو گھر و شادی خانہ کی تعمیر کے لیے حکومت نے 22.41 لاکھ روپے کی منظوری دی تھی جس میں سے اس مالی سال کے دوران یہ رقم جاری کر دی گئی، اس رقم کے استعمال کے بعد باقی رقم جاری کی جائے گی۔

(اعتماد۔ حیدرآباد)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : کچھ یادیں کچھ باتیں
مصنف : غلام یزدانی
ضخامت : ۲۳۰ صفحات
قیمت : ۲۷۵ روپے
ناشر : انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش حمایت نگر، حیدرآباد
تبصرہ نگار : ڈاکٹر عتیق اقبال

بیسویں اور اکیسویں صدی میں حیدرآباد نے جن غیر معمولی ادیبوں، شاعروں، فن کاروں اور دانش وروں کو جنم دیا اور جن کی وجہ سے حیدرآباد کو ہندستان میں شہرت حاصل ہوئی، ان میں غلام یزدانی ایڈوکیٹ کا نام بھی شامل ہے۔ ہندستان میں جب دلّی اور لکھنؤ کی تہذیب کے چراغ ٹمٹمانے لگے یا بجھ گئے تو حیدرآباد میں ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جنھوں نے حیدرآباد کی تہذیب کو زندہ رکھا۔ ایسی ہی شخصیات میں غلام یزدانی کا نام بھی شامل ہے۔ ہمارے زمانے میں جن لوگوں کی وجہ سے حیدرآباد کی تہذیب کو شہرت ملی، ان میں نواب میر عثمان علی خاں بہادر جاہ، ڈاکٹر ایس ہمدان، پروفیسر اشرف رفیع، عابد علی خاں عابد صاحب، پروفیسر جعفر نظام، سردار علی خاں بیرسٹر، سری نیواس لاہوٹی (سابق معتمد انجمن ترقی اردو آندھرا)، مشہور شاعر شاذ تمکنت، سید محی الدین قادری زور، جناب محبوب حسین جگر، جناب غلام دستگیر شیروانی، مہاراجا کشن پرشاد، پروفیسر حبیب الرحمن، جناب میر محبوب علی خاں، ممتاز مورخ ہارون خاں شیروانی وغیرہ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

غلام یزدانی صاحب نے 'ایوان عدالت کے آس پاس' کے عنوان سے کئی دل چسپ ترین واقعات بیان کیے ہیں۔ مثلاً 'خدا کے ڈر سے چوری'، 'چھوٹی بیگم'، 'انصاف کی قیمت'، 'ڈیوڑھی کے پیچ' کے عنوان سے چھوٹے چھوٹے کالم لکھے ہیں جو غیر معمولی طور پر معلومات افزا ہیں۔

انجمن ترقی اردو، آندھرا پردیش کے جنرل سکریٹری عبدالرحیم خاں صاحب اور غلام یزدانی ایڈوکیٹ وغیرہ کے نام انجمن ترقی اردو آندھرا کی سیاسی، قانونی، سماجی اور ادبی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔

غلام یزدانی صاحب کی تالیف 'کچھ یادیں، کچھ باتیں' اگر آپ پڑھنا شروع کریں تو پوری کتاب ختم کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یزدانی صاحب کو ادب سے غیر معمولی لگاؤ ہے۔ حیدرآباد میں ایک مسجد ہے، اس میں پابندی سے علامہ اقبال پر ہفت روزہ جلسے منعقد ہوتے تھے۔ مجھے بھی کئی دفعہ ان جلسوں میں شریک ہونے کا موقع ملا ہے۔ ان جلسوں میں علامہ اقبال کی شخصیت اور فن پر عالمانہ مضامین پڑھے جاتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ہندستان میں شاید ہی کوئی ایسا ادارہ ہو جہاں علامہ اقبال پر اتنی پابندی سے جلسے منعقد ہوتے ہوں۔ ان جلسوں کی کارروائی ہندستان کے بیشتر اخباروں میں شائع ہوتی تھی۔

غلام یزدانی صاحب سے میرے پندرہ بیس سال سے تعلقات ہیں۔ میں نے انھیں بہت قریب سے دیکھا ہے، مجھے ان کی شخصیت سے یہ تاثر پیدا ہوا کہ وہ بہت ہی نیک، شریف، اعلی اقدار انسان دوست اور ادب نواز ہیں۔ وہ حیدرآبادی تہذیب کے زبردست علمبردار ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ حیدرآبادی تہذیب کی عمدہ مثال ہیں۔ یہ صرف غلام یزدانی صاحب کے مختصر حالات زندگی ہی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی تحریر ہے جس سے ہم یزدانی صاحب کی شخصیت اور سیرت سے بھرپور معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ یزدانی صاحب کی شخصیت میں عہد آصفی کی نمایاں خصوصیات موجود ہیں۔ ایسی ہی دوسری شخصیت انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کے سکریٹری حبیب الرحمن صاحب مرحوم کی تھی۔ وہ بھی اتنے ہی مہذب، شریف اور نیک انسان تھے۔ یزدانی صاحب نے بہت سے ممالک کے سفر کیے ہیں۔ انھوں نے سعودی عرب، دوبئی، سری لنکا، سوویت یونین، امریکا، کینیڈا، برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک کے سفر کیے تھے اور ایک ذہین، حساس، اور باشعور انسان ہونے کی حیثیت سے ان ملکوں کی تہذیب اور ثقافتی و معاشی جھلکیوں کو قریب سے دیکھا تھا۔ انھوں نے وہاں کے حالات زندگی کو بہت دل چسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کا ایک مضمون 'دیار غیر میں حیدرآبادی تہذیب' غیر معمولی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ یہ مضمون بڑی محنت اور جستجو سے لکھا گیا ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ انھوں نے جن ملکوں کے سفر کیے تھے وہاں کی زندگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔

☆☆☆

بقیہ: مجاہد صحافت عشرت علی صدیقی...

صفحہ ایک سے آگے

الدین اسلم کی امتیازی شان جدا تھی۔ 'قومی آواز' کی اپنی شناخت، اپنی شان تھی۔ آزاد ہندستان میں یہ اولین مکمل اخبار تھا، جس نے بتدریج ترقی کی اور اس کا دائرہ ایک وسیع علاقے ــ لکھنؤ سے دہلی، دہلی سے ممبئی، ممبئی سے پٹنہ اور پٹنہ سے سری نگر ــ کو محیط ہو گیا۔ یہ اردو کا پہلا ہمہ گیر اخبار تھا اور یہ تمام تر عشرت صاحب کا کمال تھا۔ ان کے حسن نظم کا عالم یہ تھا کہ وہ کسی بھی مرکز میں چند دن سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے، اس کے باوصف اخبار نہ صرف پابندی وقت اور اپنے وقار منفرد کے ساتھ شائع ہوتا تھا بلکہ آج کے جدید ترین ذرائع ابلاغ کی پیدائش و نشو و نما سے عشروں قبل اخبار کے تمام اڈیشنوں میں حیرت انگیز مماثلت و یکسانیت ہوتی تھی، اور عشرت صاحب کے اداریے، شذرات و مضامین بہ یک وقت تمام مراکز سے شائع ہوتے تھے۔ اس انتظام و انصرام میں وہ اپنے استاد حیات اللہ انصاری سے بھی کئی قدم آگے نکل گئے تھے، اس لیے کہ اس قدر وسیع پیمانے پر (اس عہد کے حساب سے) 'قومی آواز' کا جاری ہونا ایک واقعہ تھا اور اس کا برقرار رہنا ایک کارنامہ تھا، جس کا سہرا سراسر ایک ہی فرد فرید کے سر تھا، جس کا نام نامی اسم گرامی تھا، عشرت علی صدیقی۔

عشرت صاحب کا تعلق صحافت کے اس مکتب قدیم سے تھا، جہاں مقاصد جلیل تھے اور تمنائیں قلیل۔ شاید اس قبیل کی دوسری مثال نہ ملے کہ کم و بیش نصف صدی تک ایک موقر اخبار کا مدیر بااختیار ہونے، یکے بعد دیگر ملک کے چار وزرائے اعظم، پنڈت نہرو، لال بہادر شاستری، اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی کے یہاں بلاتکلف باریاب ہونے کے باوصف نہ انھوں نے کبھی کسی ذاتی نفع کا حصول کیا، نہ اپنی شخصیت کو بے حد و حساب اجاگر کیا، نہ بے جا سفارشوں کا انبار لگایا، نہ کسی رعب و داب کا مظاہرہ کیا اور نہ ہی اپنے جائز اثر و رسوخ کا ناجائز استعمال کر کے کسی کی حق تلفی کی، نہ کسی کو کچلا اور نہ دبایا۔ ان کا ایک وصف بے مثل تھا کہ انھوں نے اپنے عہد عشرتی دور صحافت میں کسی کی کردار کشی کے مقصد سے یا کسی کی بے جا تحقیر کرنے کی نیت سے یا کسی پر بے جا اور بے جہ تنقید کرنے کی غرض فاسد سے، کبھی ایک لفظ بھی سپرد قرطاس نہیں کیا۔

عشرت صاحب کی کم علمی و سادہ کاری ان کی سب سے بڑی دولت تھی۔ اردو صحافت کے بیشتر اکابر و عظما کے برعکس نہ وہ ادیب تھے، نہ شاعر، نہ باقاعدہ مصنف، تاہم صحافی بے بدل تھے۔ نہ وہ صاحب اسلوب تھے نہ کسی خاص طرز تحریر کے مالک، بہر کیف تمام تر محرومیات کے باوصف وہ ایک مستحکم قلم کے حامل تھے۔ ان کی تحریر میں پختگی تھی اور ان کے بیان میں اثر پذیری، نیز سادگی میں پرکاری ان کا ایسا وصف تھا جو ان کی شناخت بن گیا تھا۔ دیگر قلم کاروں کی انفرادیت و خصوصیت، شوکت قلم و شکوہ تحریر سے اجاگر ہوتی ہے، مگر عشرت صاحب کا امتیاز تھا ان کے انداز تحریر کی سلاست اور روانی ـــ ان کے اندر کوئی عالمانہ شان بھلے ہی نہ ہو، تاہم فکر کا ایک سیلاب موجزن تھا، جو ہمیشہ اپنا دیرپا اثر مرتب کرنے میں کامیاب ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں ان کے یہاں تمام تر سادگی کے باوجود صحت زبان کا زبردست التزام تھا۔ عمومی خیال کے مطابق اخباری تحریر کی عمر ایک دن ہوتی ہے، مگر عشرت صاحب کے روزنامچی مندرجات آج بھی تازہ کار اور زندہ و تابندہ محسوس ہوتے ہیں اور یہ بجائے خود ایک کارنامہ ہے۔ ایک منفرد واقف صحافی نے جس قدآوری کے ساتھ دنیائے صحافت پر ستر برس تک حکمرانی کی، اس کی بھی مثال دیگر دستیاب ہونا محال، بلکہ ناممکن ہے۔

عشرت صاحب اور راقم السطور کی رفیق کا دور بہ مشکل چار برس ہوگا، لیکن تعلق خاطر کی مدت خاصی طویل تھی، اور یہ سلسلہ کم و بیش ان کی عمر دراز کے آخری مراحل تک وسیع رہا۔ اردو کی محدود دنیا اور اردو صحافت کی تنگ دامنی کا احساس کرتے ہوئے راقم مضمون نے اردو کی دادی پُرخار سے انگریزی صحافت کے میدان سنگلاخ کی جانب قدم بڑھانے سے قبل جب عشرت صاحب سے اجازت رخصت طلب کی تو انھوں نے نہ بے وفائی و بد عہدی کا طعنہ دیا، نہ کسی قسم کی ہمت شکنی کی بلکہ چند تاریخی فقرے ارشاد فرمائے: "خدا کرے کہ نئی منزلیں آپ کو راس آئیں، ہمارا خسارہ آپ کے لیے ایک نفع بخش سودا ثابت ہو، میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ اردو کو یکسر فراموش نہ کریں اور ہمارا ربط باہم بھی منقطع نہ ہو۔" ان کی دعاؤں کے ساتھ اس کم سواد نے دیار نو کی راہ لی، لیکن اپنے رفیق کبیر سے مشاورت و استفادے کا سلسلہ جاری و ساری رہا۔ راقم نے ان کے آخری سبق کو ہمیشہ یاد رکھا اور جب ایک باوقار انگریزی جریدے کی اشاعت کا موقع ملا تو اس نے انتظامیہ کو ہموار کیا، اس کے قدم بہ قدم اردو کا ایک باتصویر جزی جریدہ بھی شروع کیا جو بعد ازاں اپنے دور کا حسین ترین و سنجیدہ مجلہ ثابت ہوا۔ عشرت صاحب سے آخری ملاقات دہلی میں ہوئی، ان کی زبان سے یہ سن کر کہ وہ اس کے زیر ادارت شائع ہونے والے ہر دو جرائد کو قابل مطالعہ خیال کرتے تھے اور چند بھی فرماتے تھے، اس ناچیز کو ایک گونہ فخر مندی کا احساس ہوا، نیز ان کے بڑی کفایت سے ادا ہوئے چند توصیفی و حوصلہ افزا الفاظ کسی انعام و اکرام سے کم نہ تھے۔

عشرت صاحب کی شخصیت میں کوئی ظاہری رعب و شان و شوکت بھلے ہی نہ ہو، لیکن سنجیدگی و متانت ان کی ہستی کا جزو لاینفک تھی، عموماً ان سے وہی شخص آزادانہ گفتگو کر سکتا تھا جس سے مخاطب ہونے پر وہ رضامند ہوں، ورنہ بات ایک خاموش ردعمل یا حد سے حد ایک خفیف تبسم سے آگے نہ بڑھتی تھی، تاہم اپنی تمام تر خوش طبعی اور کفایت لفظی کے باوصف وہ نہ خشک مزاج تھے نہ بد مزاج، جب ہم کلام ہوتے تو بڑے نرم لہجے میں، شگفتہ بیانی و خندہ مزاجی کے ساتھ۔ شاذ و نادر ہی سہی مگر دل چسپ گفتگو بھی کرتے تھے اور سال کے سال کبھی کبھار کوئی لطیفہ بھی سرزد ہو جاتا تھا، تاہم فطرتاً وہ کم گو ہی تھے۔ ان کی مثال سابق صدر جمہوریہ فخرالدین علی احمد اور معروف دانش ور ڈاکٹر عبدالعلیم سے دی جا سکتی ہے، جن کی زبان سے

چندلفظ سنتے کو ایک فسل ترستی تھی۔

عشرت صاحب نے تقریباً ایک صدی کے عرصے محیط پر محیط ایک کامیاب و کامران زندگی گزاری، اپنے عہد کی صحافت کی راہ گزار دشوار پر وہ نقش پا مرتسم کیے، جو ان کے پس رووں کے لیے عرصہ دراز تک راہ نما ثابت ہوں گے۔ انھوں نے اماد و ارفع، بامقصد و باسلیقہ، بے باک و بے لاگ، بے کھوٹ، بے تصنع و بے مطراق، مگر کثیر الجہت، نیز موثر صحافت کو قابل عمل ہی نہیں مقبول عام بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کی رحلت ارخصت کے ساتھ اردو صحافت کا ایک دور زریں انجام پذیر ہوا۔ وہ اردو کے آخری بڑے صحافی تھے، ان کی زندگی اس شعر سے عبارت تھی:

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

●○●

بقیہ: مصحفی: امروہہ، آنولہ... میں

صفحہ ۸ سے آگے

میرے اشعار زبانوں پہ لگے جب پھرنے
چونک اٹھے سخن انھیں۔ سے جو یہاں سنگ گراں

آخرکار خبر آنے کی سن کر میرے
صحبت شعر کا بانی ہوا اک طرفہ جہاں
ایک تو میں تھا، مرے ساتھ سراپا تیغیں
دو سے رات کے بجنے میں شریک ان کے وہاں

دہلی میں مصحفی کو خوش حالی کی زندگی نصیب نہ ہو سکی۔ نواب نجف خاں کے دربار سے بھی کوئی فیض حاصل نہ ہو سکا۔ روزگار کے مسائل درپیش رہے۔ معاشی بدحالی نے مصحفی کو دوبارہ لکھنؤ جانے پر مجبور کر دیا اور مصحفی جب دوبارہ ۸۲-۱۷۸۳ء میں لکھنؤ پہنچے تو یہاں نواب آصف الدولہ حکومت کر رہے تھے۔ مصحفی کو یہاں کسی حد تک آسودہ حالی نصیب ہوئی۔ کئی اشعار میں اس کا ذکر کیا ہے:

میں جب آیا اوّل لکھنؤ میں تو یاں اس دلّی کا بھول گئی
کہ صورتیں اپنے عالم سے بیٹھی، یہ دیکھیں کسی کو

مصحفی بانسے ہے نوبت تو دو آصف پر
کیا ہی آواز بم و زیر بھی تھی ہے
آخری شب میں مری نیند اچٹ جاتی ہے
لطف دیتا ہے جو بجتا مجھے شہنائی کا

بج و گئی، اداو لطافت، تقریر کیا کہوں
دیکھا تو لکھنؤ کی قیامت ہیں بجلیاں
کیوں کر دلی سے لکھنؤ ہے خوب
نہ وہ کوچے ہیں اور نہ وہ گلیاں

ہو سکتا ہے کہ ابتدا میں انھیں آسودہ حالی میسر ہوئی ہو، ورنہ لکھنؤ میں بھی مصحفی جیسے فقیر منش شخص کے لیے قدر دانی کا ماحول نہ تھا۔ یہاں بھی انھیں نشیب و فراز سے دوچار ہونا پڑا:

مصحفی، لکھنؤ میں، دلی سے
آیا ہے کر کے راہ دور دراز
لیکن اس خاک میں بھی ہم نے کہیں
کچھ نہ دیکھا بجز نشیب و فراز
اے مصحفی مت پوچھ کہ دلی سے نکل کر

کیا کہیے کہ ہم کتنے پشیمان ہوئے ہیں

لکھنؤ میں مصحفی نے اپنی عمر کے ۴۵ برس گزارے۔ مصحفی کی شاعری کا سب سے قابل قدر حصہ بھی یہیں وجود میں آیا۔ اگرچہ دلی میں بھی انھوں نے ایک دیوان مرتب کیا لیکن خود مصحفی کے بہ قول چوری گیا:

دلی میں بھی چوری مرا دیوان گیا تھا

لکھنؤ میں مصحفی غلام علی خاں کے یہاں ٹھہرے۔ انھی کے ہمراہ دلی سے لکھنؤ آئے۔ غلام علی خاں مصحفی کے دوست تھے۔ لیکن بعد میں مصحفی کی ان سے ان بن ہوگئی جس کا ذکر مصحفی نے اپنے تذکرے میں کیا ہے۔ لیکن اس ان بن کا سبب بیان نہیں کیا، البتہ ناراضگی اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ مصحفی دوبارہ دلی جانے پر آمادہ ہوگئے۔ مرزا قتیل نے انھیں سمجھایا اور لکھنؤ ہی میں رہنے کا مشورہ دیا۔ اس دوران میں مصحفی محمد حیات بجاب بلگرامی کے یہاں بہ طور مہمان رہے۔ بجاب نے مصحفی کو عزت و احترام سے رکھا۔

مرزا جواں بخت جہاں دار شاہ لکھنؤ میں تھے۔ شعر و شاعری کے قدر داں تھے اور مصحفی کی شاعری کے دلدادہ۔ شمس الدولہ کی فرمائش پر مصحفی نے شہزادے (جہاں دار) کی مدح میں تہنیت عید کا قصیدہ لکھا اور یہ طے ہوا کہ عید کے دن یہ موقع میسر آئے گا کہ مصحفی نواب کی خدمت میں اپنا قصیدہ پیش کریں گے، لیکن عید کے دن نواب کے یہاں اتنا ہجوم تھا کہ موقع ہاتھ نہ آیا۔ آخرکار شمس الدولہ حاضرین کی صفیں چیرتے ہوئے شہزادے تک پہنچے اور مصحفی کا قصیدہ شہزادے کے ہاتھ میں تھما دیا۔ یہ کوشش بھی بیکار گئی۔ جہاں دار کی مدح میں ایک رباعی بھی مصحفی کے کلیات میں ملتی ہے:

یارب! تری بزم رشک گلزار رہے
اور بخت جواں سدا ترا یار رہے
ہے مصحفی غریب کی نت یہ دعا
جب تک کہ جہاں رہے جہاں دار رہے

لکھنؤ میں مصحفی کچھ روز اپنے شاگرد لالہ کانجی مل صبا کے یہاں بھی مقیم رہے۔ کانجی مل صبا نوعمری ہی میں انتقال کر گئے۔ ان کا دیوان مکمل ہو چکا تھا۔ لکھنؤ ہی میں مصحفی کا انتقال ۱۸۲۴ء میں ہوا۔

حواشی:

۱؎ نورالحسن نقوی، مصحفی حیات اور شاعری، مجلس ترقی ادب لاہور، طبع اول جون ۱۹۹۸ء، ص ۵۲
۲؎ امیر احمد علوی، حیات مصحفی، مشمولہ مصحفی نمبر 'نگار' لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۹ء، ص ۹
۳؎ بہ حوالہ قاضی عبدالودود، مصحفی اور ان کے اہم معاصرین، پٹنہ، خدا بخش لائبریری، ۱۹۸۳ء، ص ۳۶۔ یہ قطعہ مصحفی کے دیوان فارسی میں موجود ہے جسے قاضی صاحب نے کتب خانہ دانش گاہ ڈھاکہ میں دیکھا تھا۔
۴؎ بہ حوالہ سعیدہ وارثی، مطالعہ مثنویات مصحفی، دہلی، تخلیق کار پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص ۳۳۔
۵؎ بہ حوالہ امیر احمد علوی، حیات مصحفی، مشمولہ ماہنامہ 'نگار' مصحفی نمبر، لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۹ء، ص ۵۳۔
۶؎ بہ حوالہ افسر صدیقی امروہوی، مصحفی حیات و کلام، کراچی، مکتبہ نیا دور، ۱۹۷۵ء، ص ۳۹۔
۷؎ بہ حوالہ نثار احمد فاروقی، مصحفی، تنقیدی و تحقیقی جائزے، مرتب نذیر احمد، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۵ء، ص ۴۹۔
۸؎ بہ حوالہ افسر صدیقی امروہوی، مصحفی حیات و کلام، کراچی، مکتبہ نیا دور، ۱۹۷۵ء، ص ۴۰۔
۹؎ بہ حوالہ نورالحسن نقوی، مصحفی: حیات اور شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، جون ۱۹۸۹ء، ص ۱۳۔
۱۰؎ ایضاً ص ۱۳۔
۱۱؎ ایضاً ص ۱۴۔
۱۲؎ ایضاً ص ۱۴۔
۱۳؎ بہ حوالہ افسر صدیقی امروہوی، مصحفی حیات و کلام، کراچی، مکتبہ نیا دور، ۱۹۷۵ء، ص ۴۰۔
۱۴؎ بہ حوالہ مصباح احمد صدیقی، مصحفی: تنقیدی و تحقیقی جائزے، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۲۔
۱۵؎ نورالحسن نقوی، مصحفی حیات اور شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۵۲۔
۱۶؎ بہ حوالہ ڈاکٹر خلیق انجم، مصحفی تنقیدی و تحقیقی جائزے، مرتب نذیر احمد، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۵ء، ص ۹۳۔
۱۷؎ ایضاً ص ۹۳، ۹۴۔
۱۸؎ نورالحسن نقوی، مصحفی: حیات اور شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۴۔
۱۹؎ نورالحسن نقوی نے مصحفی: حیات اور شاعری میں بغیر شعری حوالے کے یہ بات لکھی ہے۔ میری نظر سے مصحفی کا یہ شعر ابھی تک نہیں گزرا۔
۲۰؎ مصحفی، تذکرہ ہندی، لکھنؤ، اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۷ء، ص ۲۲۲۔
۲۱؎ مصباح احمد صدیقی، مصحفی: تنقیدی و تحقیقی جائزے، مرتب نذیر احمد، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۳۔
۲۲؎ مصحفی، تذکرہ ہندی، لکھنؤ، اترپردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۷ء، ص ۲۵۴۔
۲۳؎ بہ حوالہ سعیدہ وارثی، مطالعہ مثنویات مصحفی، دہلی، تخلیق کار پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۵۔
۲۴؎ افسر صدیقی، مصحفی: حیات و کلام، کراچی، مکتبہ نیا دور، ۱۹۷۵ء، ص ۵۳۔
۲۵؎ نورالحسن نقوی، مصحفی: حیات اور شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۳۔
۲۶؎ امیر احمد علوی، حیات مصحفی، مصحفی نگار نمبر لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۹ء، ص ۸۔
۲۷؎ شمس بدایونی، مصحفی آنولہ میں، مصحفی تنقیدی و تحقیقی جائزے، مرتب نذیر احمد، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۳۔
۲۸؎ ایضاً ص ۲۵۴۔
۲۹؎ ایضاً ص ۲۵۵۔
۳۰؎ ایضاً ص ۲۵۵۔
۳۱؎ ایضاً ص ۲۵۷۔
۳۲؎ افسر صدیقی، مصحفی: حیات و کلام، کراچی، مکتبہ نیا دور، ۱۹۷۵ء، ص ۵۶۔
۳۳؎ نواب محمد یار خاں امیر کا روہیلہ حکومت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ امیر خود بھی نہ تو حکومت و سیادت سے متعلق تھے اور نہ ہی ان کو شاہی دربار لگانے کا اختیار تھا اس لیے لفظ سرکار یا دربار سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے امیر کے ذکر کے ساتھ سرکار اور دربار کا لفظ استعمال کیا ہے اور یہ الفاظ امیر سے ایسے منسلک ہوئے کہ ان کی عرفیت بن گئے۔ (شمس بدایونی)
۳۴؎ ابواللیث صدیقی، لکھنؤ کا دبستان شاعری، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۷۳ء، ص ۲۳۱۔
۳۵؎ نورالحسن نقوی، مصحفی، حیات اور شاعری، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۵۔
۳۶؎ امیر احمد علوی، حیات مصحفی، مصحفی نگار نمبر لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۹ء، ص ۱۱۔
۳۷؎ افسر صدیقی، مصحفی: حیات و کلام، کراچی، مکتبہ نیا دور، ۱۹۷۵ء، ص ۵۷۔
۳۸؎ بہ حوالہ شمس بدایونی، مصحفی آنولہ میں، مشمولہ مصحفی تنقیدی و تحقیقی جائزے، مرتب نذیر احمد، نئی دہلی، غالب انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۵۔
۳۹؎ بہ حوالہ ابواللیث صدیقی، لکھنؤ کا دبستان شاعری، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۱۔
۴۰؎ بہ حوالہ محمد الیاس، دارالسرور رام پور اور مصحفی مضمون مشمولہ 'ایوان اردو' دہلی، اکتوبر ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۔
۴۱؎ ابواللیث صدیقی، لکھنؤ کا دبستان شاعری، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۱۔
۴۲؎ بہ حوالہ محمد الیاس، دارالسرور رام پور اور مصحفی مضمون مشمولہ ماہنامہ 'ایوان اردو' دہلی، اکتوبر ۲۰۰۵ء، ص ۳۴۔
۴۳؎ ایضاً ص ۳۳۔
۴۴؎ افسر صدیقی، مصحفی: حیات و کلام، مکتبہ نیا دور کراچی، ۱۹۷۵ء، ص ۳۵۔
۴۵؎ ابواللیث صدیقی، لکھنؤ کا دبستان شاعری، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۲۔
۴۶؎ امیر احمد علوی، حیات مصحفی، مضمون مشمولہ ماہنامہ 'نگار' مصحفی نمبر، لکھنؤ، جنوری ۱۹۳۹ء، ص ۱۰۔
۴۷؎ ایضاً ص ۲۱
۴۸؎ افسر صدیقی، مصحفی: حیات و کلام، مکتبہ نیا دور کراچی، ۱۹۷۵ء، ص ۲۶۔

●○●

مصحفی امروہہ، آنولہ، دلّی اور لکھنؤ میں

چوتھی اور آخری قسط

ڈاکٹر الف ناظم (اسن گیٹ، ابوبکر نگر، دیوریا 274001، یوپی)

جیسا کہ مذکورہ ہوا کہ شجاع الدولہ نے ایک سمجھوتے کے تحت ایک چھوٹی سی ریاست جو ریاست رام پور کے نام سے جانی گئی، نواب فیض اللہ خاں کو دے دی۔ ساتھ ہی محمد یار خاں امیر کو بھی اپنے ہمراہ لے جانے کی اجازت حاصل کر لی، اس طرح محمد یار خاں رام پور آ گئے لیکن یہاں انھیں بیماری نے ایسا گھیرا کہ صحت یاب نہ ہو سکے اور کچھ عرصے کے بعد 39 سال کی عمر میں ۱۷۷۵ء میں امیر کا انتقال ہو گیا۔ میر قیم بھی وفات پا چکے تھے۔ قدوی لاہوری بریلی چلے گئے اور اسی سال ان کا قتل کر دیا گیا۔ قائم چاند پوری کو امیر کے بیٹے افسر نے رام پور بلا کر اپنا استاد بنایا اور باپ کی طرح انھوں نے بھی قائم کے لیے سو روپے ماہوار وظیفہ جاری کر دیا۔[۲] ٹانڈے کی محفل کا شیرازہ بکھرنے کے بعد شعرا ادھر ادھر ہو گئے۔ مصحفی کا آب و دانہ بھی یہاں سے اٹھ چکا تھا اور وہ یہاں سے نکل کر سیدھے لکھنؤ پہنچے۔ لیکن بعض محققین کے خیال میں مصحفی دہلی پہنچے۔ نیاز فتح پوری مصحفی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"دہلی اجڑنے کے بعد یہ (کشمیر) ٹانڈہ پہنچے لیکن پھر دہلی واپس آ کر مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار کے متوسل ہو گئے۔"[۳]

نیاز کے بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مصحفی ٹانڈہ و آنولہ جانے سے قبل دہلی میں تھے لیکن آنولہ و ٹانڈے سے قبل دہلی میں ہونا کسی طرح ثابت نہیں ہوتا، اس لیے اس رائے کو درست نہیں مانا جا سکتا۔

افسر صدیقی لکھتے ہیں:

"مصحفی نے ۱۱۸۵ھ کے معرکۂ سکھر تال کے بعد روہیل کھنڈ سے لکھنؤ کا سفر اختیار کیا۔"[۴]

ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں:

"۱۱۸۵ھ / ۱۷۷۱ء کے بعد جیسا کہ جابجا مصحفی نے خود لکھا ہے، نواب محمد یار خاں کے رام پور چلے جانے کے بعد مصحفی بھی تلاش معاش میں لکھنؤ پہنچے۔ یہ نواب شجاع الدولہ کا زمانہ تھا۔ تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرتبہ لکھنؤ میں صرف ایک سال کی مدت گزاری اور دہلی چلے گئے۔"[۵]

امیر احمد علوی کا خیال ہے:

"مصحفی کے سیرت نگار کو اب قیاسات کی سرحد سے نکل کر حقائق میں قدم رکھنے کا موقع ہے۔ ضابطہ خاں کی شکست کتب تاریخ میں مندرج ہے اور مصحفی کی شہادت ہے کہ شکستے درآں حادثہ جانکاہ لکھنؤ رسیدہ بود لہٰذا مصحفی نے لکھنؤ میں قدم پہلی بار یقیناً ۱۱۸۵ھ میں رکھا۔"[۶]

نیاز فتح پوری کے علاوہ سبھی کا خیال درست ہے کہ مصحفی ٹانڈے سے نکل کر لکھنؤ پہنچے، دہلی نہیں۔ نیاز نے غالباً مصحفی کے تذکروں کو نہیں دیکھا۔ مصحفی کے بیان کے مطابق لکھنؤ میں ان کا یہ قیام ایک سال تک رہا۔ مصحفی نے اس قیام کی تفصیل پیش نہیں کی اور نہ ہی اس کی تفصیل دوسرے تذکرہ نگاروں کے یہاں ملتی ہے۔ البتہ 'عقد ثریا' میں مصحفی نے دو شاعروں شیخ نظام الدین صانع بلگرامی اور بوعلی باطف سے ملاقات کا مختصراً ذکر کیا ہے، اس لیے وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ مصحفی نے لکھنؤ میں کس کے یہاں قیام کیا، ان کا کوئی رشتہ دار تھا؟ اور یہاں کس طرح زندگی بسر کی۔ مصحفی نے مرزا سودا اور مرزا ابوالحسن مولائی مشہدی سے بھی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ مصحفی سودا سے مل کر زیادہ خوش نہ تھے اور جب دوبارہ لکھنؤ آئے تو سودا انتقال کر چکے تھے۔

لکھنؤ آمد کے وقت مصحفی کی عمر 24-25 سال کی رہی ہوگی۔ یہاں ایک سال گزارنے کے بعد مصحفی دہلی چلے آئے جہاں 12 سال رہنے کے بعد دوبارہ ۸۴-۱۷۸۳ء میں لکھنؤ آئے۔ لکھنؤ سے دہلی کوچ کرنے کا سبب بے روزگاری بتایا جاتا ہے۔ امیر احمد علوی لکھتے ہیں:

"اہل کمال کی قدر دانی یہ تھی (لکھنؤ میں) سال بھر تک ٹھوکریں کھاتے رہے۔ روزگار کی کوئی صورت نہ نکلی تو دہلی کا رخ کیا۔"[۷]

دہلی میں اس وقت نواب نجف خاں حکومت کر رہے تھے۔ یہاں حالات سازگار نہ تھے۔ ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ نادر شاہ نے دہلی کو اجاڑ دیا تھا اور پھر احمد شاہ نے لٹی ہوئی دہلی کو پھر لوٹ کر مزید تباہی کے دلدل میں دھکیل رکھا تھا۔ ابدالی کے حملے میں میر تقی میر کا گھر بھی لوٹ گیا تھا۔ دوسری طرف مرہٹے بھی دہلی کو تباہ کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ مصحفی کے پیش نظر روزی روٹی کا مسئلہ بہت اہم تھا، تلاش معاش میں در در بھٹکتے رہے۔ نواب نجف خاں کے دربار میں کچھ کام نہ تھا، لہٰذا گوشہ نشینی کو اختیار کیا:

بے خانہ نشیں مصحفی افلاس کے مارے
کیا پوچھو ہو اس بے سروساماں کی اوقات

تذکروں سے پتا چلتا ہے کہ مصحفی نے یہاں مدرسہ غازی الدین خاں میں تحصیل علم کیا اور ادبی محفلوں میں بھی شریک ہوا کرتے تھے اور نشستوں (شعری) کا اہتمام خود اپنے مکان پر بھی کیا کرتے تھے جن میں شاہ حاتم، حکیم ثناء اللہ خاں فراق، میاں شکوئی زلالی، قدرت اللہ قاسم، محمد اماں نثار اور غلام اشرف وغیرہ شرکت کیا کرتے تھے۔ دہلی میں مصحفی کو خواجہ میر درد، شاہ نیاز احمد بریلوی، میر محمد بیدار اور مرزا مظہر جانجاناں کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا۔ دہلی میں مصحفی کوچہ چیلان میں رہتے تھے۔ مصحفی نے مرزا عظیم بیگ کے بیان میں لکھا ہے کہ ان کی اقامت کوچہ چیلاں یا میں تھی اور ہم مکتبی کے سبب ان سے کبھی کبھی ملاقات بھی ہوتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصحفی کا مکان بھی کوچہ چیلان میں تھا۔

امیر احمد علوی نے لکھا ہے کہ مصحفی نے مدرسہ غازی الدین خاں میں تعلیم حاصل کی۔ حالاں کہ مصحفی نے اپنے تذکروں میں نہیں لکھا، البتہ یہ لکھا ہے کہ انھوں نے شاہ نیاز احمد بریلوی سے میزان پڑھی، اس لیے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ انھوں نے مدرسہ غازی الدین خاں سے تعلیم حاصل کی ہوگی۔ ڈاکٹر عبدالحق نے 'ریاض الفصحا' کے حوالے سے لکھا ہے کہ انھوں نے اپنی تعلیم دہلی ہی میں مکمل کی۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

"اصل تعلیم دہلی میں ہوئی۔ چناں چہ 'ریاض الفصحا' میں لکھتے ہیں کہ فارسی اور اس کی نظم و نثر کی تکمیل تیس سال کی عمر میں شاہ جہاں آباد میں ہوئی۔ جن دنوں میں جلاوطن ہو کر اس دیار میں تازہ تازہ پہنچا تو علم عربی یعنی طبعیات، الٰہیات اور ریاضی مولوی مستقیم (قاضی محمد) ساکن گوپا مئو شاگرد مولوی حسن خواجہ تاش سمین عالم الحفصا سے حاصل کی اور صدرا پڑھا۔ قانونچہ کا درس مولوی مظہر علی سے لیا جو صرف و نحو میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ آخر عمر میں عربی ادب اور تفاسیر قرآن مجید کا مطالعہ کیا، کہتے ہیں کہ عربی سے نابلد ہونے کا جو نقص تھا وہ میں نے اس شہر میں پہنچ کر رفع کیا۔"[۸]

مذکورہ اقتباس سے واضح ہے کہ مصحفی نے کس کس سے اور کیا کیا تعلیمات حاصل کیں۔ دہلی میں اساتذہ کے علاوہ معاصر شعرا سے بھی مصحفی کے تعلقات تھے، جن کا ذکر تذکرۂ ہندی میں تفصیل سے کیا ہے۔ مرزا محمد قتیل سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔ اکثر ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے اور شاعری پر تبادلۂ خیال کیا کرتے تھے۔ قتیل کے بارے میں مصحفی نے جو قطعہ کہا، یہاں درج کیا جاتا ہے:

سن کے آبادی کا شہرہ طرف مشرق سے
چھوڑ کر، دتی کو اک بار جو میں آیا یہاں

(بقیہ صفحہ ۔۔ پر)

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں — مطبوعہ: شمر آفسیٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲-راؤز ایونیو نئی دہلی-۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): ۱۰ روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک آٹھ امریکی ڈالر)
Phones: 23237212, 23237214
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org